⊙ سید ظفر عباس نقوی
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، دی اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور
⊙⊙ ڈاکٹر روبینہ رفیق
صدر شعبہ اُردو، دی اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

جنوبی پنجاب کے مرثیے میں مقامی رنگ

Abstract:

The South Punjab is one of the most ancient lands on the earth. Its inhabitants have been religion loving since time immemorial. Despite the ups and downs of time, this area upheld its superiority of spiritual and cultural traditions. The Siraiki Language has the honor to be the first language to introduce the art of elegy writing in the south Punjab. The genre of elegy belongs to the social life of the people. Majority of the masses was well familiar with this local language. Hence, with the passage of time, many words of the Urdu Language became the part of Siraiki. Then regular elegy started in Urdu. These elegies contain elevated social attitudes and golden rituals of the south Punjab. We find the rituals of the Muslim families and their culture in these elegies as well. The elegists of this area have also mentioned the seasons, supplications, and Flowers in their elegies. This Article evaluates the regional and cultural shade in the elegies of the south Punjab.

Keywords:

South Punjab, Marsia, Poetry, Siraiki, Multan, Cultural, Elegies

جنوبی پنجاب زمانہ قدیم سے ہی مذہبی روایات کا حامل رہا ہے۔اس علاقے میں صوفیائے کرام نے دین اسلام کی تبلیغ فرمائی اور اسلامی تہذیب وثقافت کو پروان چڑھایا۔اگرچہ سندھ اور ملتان میں محمد بن قاسم کے بعد کی دو صدیوں میں ایک اسماعیلی داعی اور پھر مہدویت کے دعویداروں کی حکومت رہی، جنہیں بوجوہ متنازعہ کردار یا عقائد کے سبب تاریخ

کے صفحات پر مناسب جگہ نہیں ملی، یہی وجہ ہے کہ ان کی عبادت گاہوں میں گنعان گائے ضرور جاتے تھے تاہم ان کے متن تک غیر اسماعیلی کو رسائی نہیں ملتی تھی۔ البتہ ۱۰۸۸ء میں شاہ یوسف گردیز کے ملتان میں آنے اور پھر ان کے پیروکاروں کی افغانستان اور ایران سے وقفے وقفے سے ہجرت نے اندرون شہر حسینیت کا ایک مرکز قائم کیا، جس نے عزاداری کو مذہبی اور ثقافتی حیثیت دی، یہی وجہ ہے کہ برصغیر میں دعوت اسلام دینے والے بزرگان دینؒ نے عزاداری حضرت امام حسین کو بھی فروغ دیا۔ حضرت بہاءالدین زکریاؒ (۱۱۷۰ء۔۱۲۷۶ء) کو امام عالی مقام سے خاص عقیدت تھی۔ حضرت شہباز قلندرؒ (۱۱۷۷ء۔۱۲۷۴ء) نے ملتان اور سندھ میں حسینیت کی تبلیغ فرمائی۔ حضرت شاہ شمسؒ (وفات، ۱۲۷۶ء) کی گربھیاں آج بھی موجود ہیں۔ انہوں نے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

''مانو شاہ قاسمؑ، نور نیں اے غافلو، آلؑ امامؑ، گامانی، نینی کلا تھی اے، یارو غافل پیر شمسؒ سو ہے۔''(۱)

(ترجمہ: اے غفلت کا شکار لوگو، شاہ قاسمؑ نور کو مانو کہ وہ آلؑ امامؑ ہیں اور انہی کی بات تسلیم کرنی چاہئے، میں تمہیں نصیحت کر رہا ہوں کہ غفلت کو ترک کرو اور پیر شمسؒ کو پہچانو کیونکہ جس نے پیر شمسؒ کو پہچانا، اس نے آل امامؑ کی پہچان کی)

اب کچھ مرثیہ نگاروں کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے کربلا کے انتہائی دلخراش واقعہ کو مقامی روپ میں پیش کیا۔

غلام حسن شہید (۱۷۸۲ء۔۱۸۴۵ء):

غلام حسن شہید ۱۷۸۲ء میں جان محمد کے ہاں ملتان میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے حافظ جمال اللہ ملتانی سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کیے۔ انھیں عربی، فارسی، ہندی، اردو اور سرائیکی زبانوں پر کامل مہارت حاصل تھی۔ انہیں جنوبی پنجاب میں اردو کا پہلا شاعر کہا جا سکتا ہے۔ ان کا نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے:

گلے اصغر معصوم پر اِنہی کوفیانِ سیاہ دل
ایسا مارا ناوکِ جاں گزا کہ شہیدِ دردو الم کیا
کبھی بارِ ساغر کر دیا شاہزادے حسن کے تئیں
کبھی نوشہ بستہ درد پر کبھی طوافِ حرم کی (گامن، ص۳۴)

ڈاکٹر روبینہ ترین لکھتی ہیں:

''حضرت غلام حسن شہید رحمتہ اللہ علیہ نے اردو، ہندی، سرائیکی اور پنجابی زبان کو مخلوط کرنے کا تجربہ بڑی کامیابی کے ساتھ کیا۔''(۲)

ان کا شاندار کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے سرائیکی کے غالب معاشرے میں اردو کو مقامی رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ کربلا کی عظیم الشان ہستیوں سے تمام اہل اسلام کو بے حد عقیدت ہے۔ یہاں کے شعرائے کرام نے ان عالی شان شخصیات کو پیش کرتے ہوئے صدیوں کے فاصلوں کو ختم کر دیا ہے اور انہیں مزید دلپذیر بنانے کے لئے مقامی رنگ میں پیش کیا۔ صفدر کربلائی اپنے ایک مضمون 'کچھی سونے دی کچھی' میں لکھتے ہیں:

''سید غلام عباس محسن نقوی آہدے ہن جو خدائے لم یزل نے اپنے بیان دے اظہار واسطے ہک رجی کجی زبان عربی کوں چنیا لیکن محمدؐ وآلؑ محمدؐ نے اپنے ڈکھ تے مونجھ دی کتھاردے کتھارس سانگے سرائیکی زبان کوں عزت بخشی تے اوندامان ودھایا۔نمونہ کلام ملاحظہ فرمایئے:

کوئی دکیاں تاس دیاں
ہک گھٹ پانی توں
باہواں کپیاں عباسؑ دیاں (۳)

سرائیکی کے مقبول مرثیہ نگاروں میں ایک اہم نام غلام سکندر خان غلام (۱۸۰۲ء۔۱۹۰۲ء) کا ہے۔تقریباً ایک صدی کی عمر پانے والے اس مرثیہ گو کی پیدائش بھکر میں ہوئی۔(۴)

ان کی شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر روبینہ ترین لکھتی ہیں:

''اٹھارہ برس کی عمر میں خواب میں مرثیہ اہل بیتؑ لکھنے کا حکم ملا۔۱۸۳۰ء تک ان کے مرثیے سارے علاقے میں پھیل چکے تھے۔غلام بے پناہ شاعری صلاحیت کے مالک تھے۔ان کا شمار سرائیکی کے بہت بڑے شاعروں میں ہوتا ہے۔''(۵)

شادی کے موقع پر دائیں ہاتھ کا گانا، بائیں ہاتھ کا گانا، سہرا، سیج وغیرہ یہاں کے بہت سے خاندانوں میں یہ رسومات بڑے اہتمام سے منائی جاتی ہیں۔حضرت قاسمؑ ابن امام حسنؑ کی شادی والی روایت کو تمام سرائیکی مرثیہ نگاروں نے پر درد انداز میں بیان کیا۔ان کی شادی کے حوالے سے جنوبی پنجاب کی تہذیبی رسومات کو بہت موثر انداز سے بیان کیا گیا۔نسبتاً جدید دور کے غلام سکندر خان غلام کے ان مرثیوں کے پس منظر میں سرائیکی خطے کی تہذیب دکھائی دیتی ہے۔ نمونہ کلام دیکھیے:

لا کر مہندی سکنا والی
موت دا گانہ بنھنا
چھوڑ کے سیج رنگیلی بچڑا
ریت تتی تے سمنا

(لیر کتیراں خیمے)

غلام سکندر خان غلام نے اپنے مرثیوں کو اثر انگیز بنانے کے لئے مقامی رنگوں کو استعمال کیا ہے۔

مولانا محمود مولائی:

سرائیکی مرثیہ کو پروان چڑھانے میں ان کے معاصر مولانا محمود مولائی کا نام خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ان کے والد عبدالرحیم صاحب ڈیرہ اسماعیل خان کے رہنے والے تھے(۶) ان کے کلام میں قرآن مجید اور احادیث پاک کا تذکرہ بہت زیادہ ہے۔ان کے مرثیوں پر انیسؒ و دبیرؒ کے اثرات بھی مرتب ہوئے ہیں۔سرائیکی خطے میں پانی سے محروم علاقہ تھل

موجود ہے ان کے ہاں کربلا، پیاس اور تھل کا تذکرہ موجود ہے، نمونہ کلام دیکھئے:

شاہؑ جو ذوالجناح اتوں یارو لتھا جیویں لتھا
ڈینھ وی تتا لُو وی تتی ٹبہ تھل دا تتا

(لیر کتیراں خیمے)

ان کے ہاں اپنی تہذیب سے جڑت موجود ہے۔

مولوی غلام حیدر فدا (۱۸۴۳ء۔۱۸۸۰ء):

مولوی غلام حیدر فدا کا اصل نام غلام حیدر اور تخلص فدا تھا (۷) ان کے والد صاحب کا نام میاں اللہ بخش تھا (۸)۔ان کی پیدائش ڈیرہ اسماعیل خان میں ہوئی۔ان کے والد صاحب نے ڈیرہ اسماعیل خان کو چھوڑ کر بھکر میں رہائش اختیار کر لی۔ کچھ عرصے بعد مولوی غلام حیدر فدا اور ان کے دونوں بھائیوں محمد حسین گدا اور صادق حسین نے کروڑ لعل عیسن ضلع لیہ کو مستقل مسکن بنایا (۹)۔ وہ سید علی شاہ چھینوی کے شاگرد تھے۔ان کے مرثیہ میں حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبولؐ، منقبت اور قرآنی آیات کی تفسیر موجود ہے۔ان کا انتقال ۱۹۴۳ء ماہ نوروز کے دوسرے ہفتے میں ہوا (۱۰)۔ان کا کمال یہ ہے کہ عربی، فارسی، اردو، سرائیکی کے الفاظ شامل کر کے انفرادیت قائم کی۔ان کے ہاں مقامی رنگ نمایاں ہے، نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔ جب اسیرانؑ کربلا کو شام کے زندان میں قید کیا جاتا ہے تو یزید کی بیوی جو کہ ایک مومنہ خاتون ہے۔ان قیدیوں سے ملنے آتی ہے، اس موقع پر مولوی غلام حیدر فدا کا نمونہ کلام دیکھئے:

ماروتھل کربل وچ لٹیاں سینؑ بتولؑ دی دھیاں
میں ویساں حال حسنینؑ چیساں ہیں گالھوں ٹُر پیاں

(سرائیکی مرثیے وچ نثر، ص ۱۲۸)

مولوی غلام حیدر فدا کا دل سرائیکی وسیب کے ساتھ دھڑکتا ہے، وہ اپنے کلام میں اپنی تہذیب و ثقافت کو پیش نظر رکھتے ہیں، ان کے ہیروز بے شک دنیا کی عظم ترین ہستیاں ہیں لیکن انہوں نے رسم و رواج یہاں کے پیش کئے ہیں۔

حیدر گردیزی (۱۹۲۶ء۔۱۹۹۱ء):

حیدر گردیزی کا تعلق ملتان کے مشہور مذہبی اور سیاسی خاندان سے ہے۔اُن کے بزرگ حضرت یوسف شاہ گردیزؒ نے اہل ملتان کو اپنے علم و فضل اور روحانی کمالات سے فیض یاب فرمایا (۱۱)۔ان کا اصل نام محمد حیدر گردیزی ہے۔ ان کی جائے پیدائش ملتان ہے جہاں ان کی ولادت ۱۹۲۶ء میں ہوئی (۱۲)۔اُنہوں نے غزل، نظم، مراثی، سلام، مناقب مختلف اصناف سخن میں سخنوری کے جوہر دکھائے۔اُنہوں نے ۱۹۶۴ء میں مرثیہ نگاری کا آغاز کیا۔اُن کے مناقب اور سلام کے مجموعے لافتیٰ الاعلی اور رلی خمستہ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔اُن کا ایک مرثیہ حبیبؑ ابن مظاہرؓ کے نام سے منظر عام پر آ چکا ہے۔سید حیدر گردیزی نجیب الطرفین سید تھے۔جس طرح اُن کا خاندان جنوبی پنجاب کی تہذیبی اقدار کا امین ہے۔

ان اقدار کا عکس ان کے مراثی میں بھی نمایاں ہے۔ان کے الفاظ بھی شرافت اور نجابت سے بھرپور ہیں۔

جو جانثار آلِ پیغمبرؐ تھا وہ حبیب
دینی شرافتوں کا سمندر تھا وہ حبیب

[حبیب ابن مظاہر،ص،۱۱]

جنوبی پنجاب کی اعلیٰ تہذیبی روایات کا عکس حضرت فضہ کے کردار میں بھی نمایاں ہے۔یہاں کی خواتین کانوں میں بالے زیورات کو استعمال کرتی ہیں:

چاندی لیے ہوئے ہے یہ بالوں کی کان میں
قرآن رچابساہوا رحل زبان میں

[حبیب ابن مظاہر،ص۴۶]

گردن میں تھی درود کے زیور لیے ہوئے
لحن علیؑ کے کانوں میں گوہر لیے ہوئے

[ایضاً]

اُن کے ہاں گہرا مقامی تہذیبی رنگ موجود ہے۔

ڈاکٹر عاصی کرنالی (۱۹۲۷ء۔۲۰۱۱ء):

ڈاکٹر عاصی کرنالی کرنال (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ہجرت کے بعد ملتان آ گئے اور یہیں سے اپنی تعلیم مکمل کی۔ اُن کی کتاب 'نعتوں کے گلاب' کے حوالے سے صدارتی ایوارڈ ملا۔انہوں نے ۲۰ جنوری ۲۰۱۱ء کو ملتان میں وفات پائی۔ ان کے پانچ مرثیے سامنے آئے:

۱۔ تکمیل (حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ہے)
۲۔ تہذیبِ وفا (حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے حوالے سے)
۳۔ لہولہو گلاب (حضرت علی اکبر علیہ السلام کے بارے میں)
۴۔ ضربِ تبسم (حضرت علی اصغر علیہ السلام کے بارے میں)
۵۔ اجرِ مَوَدت (حضرت حُر علیہ السلام کے بارے میں)

وہ جنوبی پنجاب کی سرزمین کو کربلائے معلیٰ سے تشبیہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔اُن کا نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے!

اللہ کے کرم کی ہمیں آس چاہیے
ہم کربلا میں ہیں ہمیں عباس چاہیے

(خاصان خدا،ص۵۵)

ڈاکٹر شریف احمد عاصی کرنالی کا شمار پاکستان کے صف اول کے مرثیہ نگاروں میں ہوتا ہے۔

آغا سکندر مہدی (۱۹۲۸ء۔۱۹۷۶ء):

آغا سکندر مہدی انڈیا کے بہت بڑے صوبے (یو۔پی) کے مردم خیز علاقے رائے بریلی میں پیدا ہوئے اُن کی تاریخ ولادت ۲۰ جون ۱۹۲۸ء ہے (۱۳)۔اُنہوں نے لکھنؤ کالج اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی (۱۴)۔ یہی وجہ ہے کے اُن کی تحریر پر وہاں کے اثرات مرتب ہوئے۔پاکستان بننے کے بعد اُنہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ بہاول پور میں گزارا یہاں کے تہذیبی اثرات بھی اُن کی شاعری میں نمایاں ہیں۔

منتیں ماننا اور منتیں بڑھانا جنوبی پنجاب کی معروف روایت ہے۔یہاں شہزادہ علی اکبرؑ کے وسیلے سے منتیں مانی جاتی ہیں اور جب منت پوری ہو جائے تو منت بڑھائی جاتی ہے۔ان کی زیارت پڑھی جاتی ہے۔

ضریح چوم کے منت بڑھائی جاتی ہے
زیارت علی اکبرؑ پڑھائی جاتی ہے

(مرثیہ معلیٰ،ص۵۳)

اُنہوں نے یہاں کی تہذیبی ترجمانی احسن انداز میں کی ہے۔یہ ایک حقیقت ہے کہ اُنہوں نے مرثیوں کے کرداروں کے ذریعے جنوبی پنجاب کی معاشرتی زندگی کی تصاویر کو محفوظ کر لیا ہے۔ضریح چوم کے منت بڑھانا، زیارت علی اکبرؑ پڑھانا، لاشوں پر پھول ڈالنا، پانی نہ ملنے پر اشک بہانا سماجی رسومات کی تصاویر اُن کے ہاں نظر آتی ہیں۔

حرؑ کا اخلاص تھا ، اعمال جو مقبول ہوئے
اشک معصومؑ کے ، میت کے لیے پھول ہوئے

(مرثیہ معلیٰ،ص۳۲۰)

ان کے یہاں لکھنوی تہذیب کے ساتھ ساتھ مقامی تہذیب سے بھی جُڑت نظر آتی ہے۔

سید عمران حیدر گردیزی:

یہ ۱۹۵۹ء میں معروف شاعر اور مرثیہ نگار حیدر گردیزی کے ہاں ملتان میں پیدا ہوئے۔انھیں مرثیہ نگاری وراثت میں ودیعت ہوئی اور انھوں نے مرثیہ لکھتے ہوئے اس خطے کی تہذیب وثقافت کو بھی پیش نظر رکھا۔اس علاقے کی مقامی زبان مٹھاس سے بھرپور ہے۔شاعر کے دل ودماغ میں اس میٹھی زبان کا اس قدر اثر ہے کہ وہ مرثیے میں بھی امام عالی مقام کو میٹھی زبان کہہ کر مخاطب ہوتے ہیں۔

اے حسینِ ابن علی! اے پیار کی میٹھی زباں!
در سے ترے فیض کا دریا رہا ہر دم رواں

(صدائے غم،ص۱۱۳)

ان کے شعری مجموعے 'اشک فرات' کا آغاز 'گلاب جاں' مرثیہ درحال شہزادہ علی اکبرؑ سے ہوتا ہے اُنہوں نے مرثیہ میں علاقائی پھولوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

جنوبی پنجاب کے مرثیہ نگاروں نے خاندانِ نبوت کی تہذیب کو جنوبی پنجاب کے روپ میں پیش کرنے کی شعوری طور پر کاوش کی۔ اس سے یہاں کے رہنے والوں کے دلوں میں اپنائیت کا احساس مزید گہرا ہوا کیونکہ یہی انسانی فطرت ہے کہ جن عالمگیر ہستیوں میں ان جیسی تہذیب کی جھلک نظر آئے وہ ان کے دل کے زیادہ قریب ہو جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ سرائیکی شعرا نے شعوری طور پر عرب کی ان عظیم الشان ہستیوں کے کرداروں میں مقامی رنگ بھر کر ان کی تاثیر بہت زیادہ بڑھا دی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ غضنفر مہدی، سرائیکی مرثیہ، (اسلام آباد: قائداعظم یونیورسٹی، ۲۰۱۰)، ص ۱۸۱

۲۔ روبینہ ترین، تاریخ ادبیات ملتان، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۲)، ص ۲۳۹

۳۔ غلام سکندر خان غلام، لیر کتیراں خیمے، (ملتان: جھوک پبلشرز دولت گیٹ، ۲۰۱۵)، ص ۲۴

۴۔ تاریخ ادیبات ملتان، ص ۲۴۶

۵۔ ایضاً، ص ۲۴۶

۶۔ خلش پیراصحابی، ملتانی مرثیہ، (لاہور، پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۶)، ص ۵۷

۷۔ خلش پیراصحابی، سرائیکی مرثیہ گوئی کے پانچ سو سال، (ملتان: سید الیکٹریس، ۱۴۰۴ھ)، ص ۹

۸۔ سرائیکی مرثیہ گوئی کے پانچ سو سال، ص ۹

۹۔ کیفی جام پوری، سرائیکی شاعری، (ملتان: بزم ثقافت، ۱۹۹۹)، ص ۲۹۷

۱۰۔ مرید عارف، سرائیکی مرثیے وچ نثر، (ملتان: بزم ثقافت، جھوک پبلشرز، ۲۰۱۶)، ص ۲۹۷

۱۱۔ روبینہ ترین، ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرامؒ کا حصہ، (ملتان: بیکن بکس، ۱۹۸۹)، ص ۱۰۶

۱۲۔ تاریخ ادبیات ملتان، ص ۲۵۱

۱۳۔ حیات میرٹھی، ۔بہاول پور کا شعری ادب، (بہاول پور: اردو اکیڈمی، ۱۹۷۱)، ص ۳۴۹

۱۴۔ بہاول پور کا شعری ادب، ص ۳۴۹